مطالعہ قرآن حکیم

منتخب نصاب (درس ۲۶)

ڈاکٹر اسرار احمد

اُمت مسلمہ سے خطاب کے ضمن میں
قرآنِ حکیم کی جامع ترین سورت
اُمُّ المُسَبِّحات : سورۃ الحدید
(۱۲)

نحمدہٗ ونصلی علٰی رسولہِ الکریم ...... امّا بعد:

اعوذ باللّٰہ من الشّیطٰن الرّجیم۔ بسمِ اللّٰہِ الرّحمٰنِ الرّحیم

﴿اِنَّ الْمُصَّدِّقِیْنَ وَالْمُصَّدِّقٰتِ وَاَقْرَضُوا اللّٰہَ قَرْضًا حَسَنًا یُّضٰعَفُ لَھُمْ وَلَھُمْ اَجْرٌ کَرِیْمٌ ۝ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰہِ وَرُسُلِہٖٓ اُولٰٓئِکَ ھُمُ الصِّدِّیْقُوْنَ ۖ وَالشُّھَدَآءُ عِنْدَ رَبِّھِمْ ؕ لَھُمْ اَجْرُھُمْ وَنُوْرُھُمْ ؕ وَالَّذِیْنَ کَفَرُوْا وَکَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَآ اُولٰٓئِکَ اَصْحٰبُ الْجَحِیْمِ ۝﴾ (آیات ۱۸ تا ۱۹)

﴿وَمَنْ یُّطِعِ اللّٰہَ وَالرَّسُوْلَ فَاُولٰٓئِکَ مَعَ الَّذِیْنَ اَنْعَمَ اللّٰہُ عَلَیْھِمْ مِّنَ النَّبِیّٖنَ وَالصِّدِّیْقِیْنَ وَالشُّھَدَآءِ وَالصّٰلِحِیْنَ ۚ وَحَسُنَ اُولٰٓئِکَ رَفِیْقًا ۝﴾ (النساء: ۶۹) .... صدق اللّٰہ العظیم

بعض اہم دینی اصطلاحات کے مابین ربط و تعلق

گزشتہ نشست میں سورۃ الحدید کی آیات ۱۹،۱۸ کے حوالے سے سلوک قرآنی کو سمجھنے اور اس ضمن میں سورۃ النساء کی آیت ۶۹ کے حوالے سے دو اصطلاحات قرآنی ''صدیقین''

© rasailojaraid.com

اور ''شہداء'' کی اصل حقیقت سمجھنے کی کوشش کی گئی تھی۔ اب آپ کے سامنے ایک نقشہ پیش کیا جا رہا ہے' جو دین کی بعض اہم اصطلاحات کے مابین ربط و تعلق کے لئے بہت مفید ہے۔ اس نقشے میں دائیں اور بائیں دو انتہائیں وجود میں آ رہی ہیں۔ ایک طرف عروج ہے اور دوسری طرف نزول ہے' یعنی ایک عروجی کیفیت ہے اور ایک نزولی کیفیت ہے اور ان کے مابین base line ''عبدیت'' اور ''صالحیت'' ہے۔ ''عبدیت'' کی اصطلاح قرآن میں سب سے زیادہ استعمال ہوئی ہے۔ سورۃ البقرۃ کے تیسرے رکوع کا آغاز ان الفاظ سے ہوتا ہے: ﴿یٰٓاَیُّھَا النَّاسُ اعْبُدُوْا رَبَّکُمْ﴾ ''اے لوگو! اپنے ربّ کی بندگی اختیار کرو''۔ لیکن سورۃ النساء کی آیت ۶۹ میں ''صالحین'' کی اصطلاح استعمال ہوئی ہے۔ یہ دونوں اصطلاحیں چونکہ base line ہیں اس لئے ان دونوں کو یکجا کر دیا گیا ہے۔ جس شخص نے فیصلہ کر لیا ہو کہ میں اللہ کا بندہ بن کر ہی زندگی گزاروں گا' وہ صالحین میں شامل ہو گیا۔

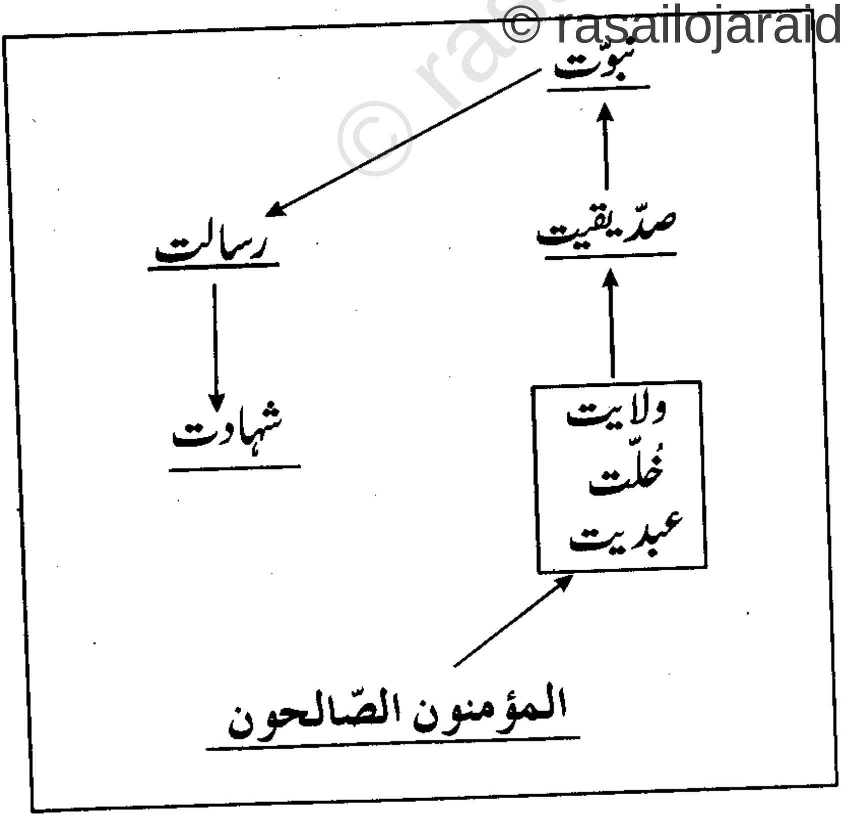

© rasailojaraid.co

اب اس کے اوپر کے درجات کے لئے تین اصطلاحات ہیں اور یہ تینوں تقریباً ہم معنی الفاظ ہیں۔ ایک ہے ''ولایت'' یعنی اللہ کی دوستی۔ اس کی تفصیل سورۃ حٰم السجدۃ میں بایں الفاظ آئی ہے:

﴿اِنَّ الَّذِیْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰہُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا ......﴾

''جن لوگوں نے کہا ہمارا ربّ اللہ ہے پھر اُس پر ثابت قدم رہے......''

یعنی جن کو بھی اس عبدیت پر استقامت حاصل ہوگئی' جن کا بھی ایمان پر دل ٹھک گیا اور انہیں اللہ کے ساتھ تسلیم و رضا کی کیفیت حاصل ہوگئی' ان کا توکل کُل کا کُل اللہ کی ذات پر مرکوز ہو گیا اور وہ اطاعتِ کلی پر کاربند ہو گئے' تو یہ وہ لوگ ہیں جن کے بارے میں فرمایا گیا ہے:

﴿اَلَآ اِنَّ اَوْلِیَآءَ اللّٰہِ لَا خَوْفٌ عَلَیْھِمْ وَلَا ھُمْ یَحْزَنُوْنَ ﴿۶۲﴾ اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَکَانُوْا یَتَّقُوْنَ ﴿۶۳﴾﴾ (یونس:۶۲'۶۳)

''آگاہ ہو جاؤ! یقیناً اللہ کے دوست تو وہ ہیں کہ جن پر (قیامت کے دن) نہ کوئی خوف ہوگا اور نہ ہی وہ غمگین ہوں گے۔ یہ وہ لوگ ہیں جو ایمان لائے اور انہوں نے پرہیزگاری کی روش اختیار کی۔''

اس دوستی کے لئے ایک لفظ ''خُلّت'' بھی ہے اور یہ خاص طور پر حضرت ابراہیم علیہ الصلاۃ والسلام کے لئے استعمال ہوا ہے۔ سورۃ النساء (آیت ۱۲۵) میں ارشاد ہوا: ﴿وَاتَّخَذَ اللّٰہُ اِبْرٰھِیْمَ خَلِیْلًا﴾ ''اور اللہ تعالیٰ نے ابراہیمؑ کو اپنا خلیل بنا لیا''۔ تو یہ ''ولایت'' اور ''خُلّت'' دو اصطلاحات ہیں۔ لیکن ایک اعتبار سے ''صدیقیت'' کی اصطلاح بھی ان کے ہم پلہ ہے۔ صدیق وہ شخص ہے جو نیک سرشت ہو' جو طبعاً نیک' راست باز' راست گو' راست رو ہو اور وہ ہر اچھی بات کی تصدیق کرنے کے لئے تیار اور آمادہ رہتا ہو۔ یہ ہے وہ مرتبہ جس کے اُوپر عروج کی آخری منزل ''نبوت'' ہے۔ میں نے اسی لئے ''رسالت'' کو نیچے رکھا ہے کہ میں ان حضرات کی رائے سے متفق ہوں جو رسالت کو مقامِ ''نزول'' میں سمجھتے ہیں' اس لئے کہ اصل عروج نبوت ہے۔ اس کے بعد حکم دیا جاتا ہے کہ اب اللہ کا پیغام لے کر لوگوں کی طرف جاؤ! یہ مقامِ رسالت ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو حکم ہوا تھا: ﴿اِذْھَبْ اِلٰی فِرْعَوْنَ اِنَّہٗ طَغٰی﴾ ''جاؤ فرعون کی طرف! یقیناً وہ سرکشی پر اتر آیا ہے''۔ یہ نزول اس اعتبار سے بھی بہت خوبصورت لفظ ہے کہ حضور ﷺ پر وحی نازل ہوئی جبکہ آپ جبلِ نور پر غارِ حرا میں تشریف فرما تھے۔ حضرت موسیٰؑ کو حکم ہو رہا ہے: ﴿اِذْھَبْ اِلٰی فِرْعَوْنَ اِنَّہٗ طَغٰی﴾ جبکہ آپؑ کوہ طور

© rasailojaraid.c

پر اللہ سے ہم کلامی پر مشرف ہوئے۔ کہا جا رہا ہے کہ اب اس بلندی سے نیچے اترو اور جاؤ اللہ کا پیغامِ ہدایت لے کر لوگوں کی طرف۔

اس کیفیت کو علامہ اقبال نے شیخ عبدالقدوس گنگوہی کے ایک قول کے حوالے سے اپنے چوتھے خطبے میں بہت خوبصورتی سے واضح کیا ہے۔ شیخ عبدالقدوس گنگوہیؒ ایک بہت بڑے صوفی تھے۔ ان کا ایک جملہ ہے: ''محمد عربیؐ بالائے آسمان رفت و باز آمد' بخدا اگر من رفتمے باز نہ آمدمے'' یعنی محمد عربی ﷺ ساتویں آسمان پر چلے گئے اور پھر واپس آ گئے' خدا کی قسم! اگر میں وہاں پہنچ جاتا تو کبھی واپس نہ آتا۔ علامہ اقبال کہتے ہیں:

"This is the difference between prophetic experience and mystic experience."

دراصل صوفی اللہ کے ساتھ لو لگا کر بیٹھ رہتا ہے۔ اس کیفیت میں جو سرور و کیف ہے اس سے تو ظاہر ہے کہ وہی شخص آگاہ ہے جس کو یہ کیفیت نصیب ہو جائے۔ جیسے کہا جاتا ہے: ''لذت ایں بادہ ندانی بخدا تا نہ چشی''۔ چنانچہ جس نے کبھی اس چیز کو چکھا نہ ہو وہ اس کے اندر جو سرور و کیف ہے اس کا اندازہ ہی نہیں کر سکتا۔ اگر اللہ کے ساتھ لو لگی ہوئی ہے تو کیفیت یہ ہوتی ہے کہ ع ''بیٹھے رہیں تصورِ جاناں کیے ہوئے''۔ عبدالقدوس گنگوہیؒ کا ہی ایک اور واقعہ بھی روایات میں ملتا ہے کہ ایک بار مراقبے میں بیٹھے ہوئے تھے ـــــ اُس وقت جو بھی کیفیت ہو گی ہم اس کو نہیں سمجھ سکتے ـــــ کہ اچانک اقامت کی آواز آ گئی: قَدْ قَامَتِ الصَّلٰوۃُ۔ اُس وقت انہیں کھڑے تو ہونا پڑا' لیکن کہا یہ کہ ''حضوری سے نکال کر دربانی میں کھڑا کر دیا''۔ یعنی مراقبے میں تو مجھے حضوری کی کیفیت حاصل تھی۔ لیکن بہرحال نماز کے لئے کھڑے ہو گئے' اس لئے کہ حکم خداوندی ﴿وَارْكَعُوْا مَعَ الرّٰكِعِيْنَ﴾ پر عمل پیرا ہوتے ہوئے جماعت میں شریک ہونا لازم ہے۔

تو ظاہر بات ہے جو اللہ کا بندہ اس مقامِ بلند پر پہنچ گیا ہو اَب اسے کہا جائے کہ جاؤ تبلیغ کرو تو اس پر یہ گراں تو گزرے گا! تبلیغ دین میں تو لوگوں کی جلی کٹی سننی پڑتی ہیں۔ جیسے حضور ﷺ سے کوئی کہتا پاگل ہو گئے ہیں' کوئی کہتا دماغ خراب ہو گیا ہے' کوئی کہتا یقیناً اس سے ان کا کوئی نہ کوئی مقصد ہے' یہ کوئی لیڈری چاہتے ہیں' یہ چاہتے ہیں کہ کچھ لوگ ان کے نام کی مالا جپیں۔ قرآن نے ان کے الفاظ نقل کئے ہیں: ﴿اِنَّ هٰذَا لَشَيْءٌ يُّرَادُ﴾ کسی نے کہا جادوگر ہیں' کسی نے کہا شاعر ہیں۔ معاذ اللہ' ثم معاذ اللہ۔ نقل کفر کفر نباشد! تو اس سے حضور ﷺ کے دل پر جو بیت رہی تھی قرآن خود اُس پر اِن الفاظ میں تبصرہ فرماتا ہے:

© rasailojaraid.com

﴿وَلَقَدْ نَعْلَمُ اَنَّکَ یَضِیْقُ صَدْرُکَ بِمَا یَقُوْلُوْنَ﴾ ''(اے نبیؐ!) ہمیں خوب معلوم ہے کہ جو کچھ یہ لوگ کہہ رہے ہیں اس سے آپؐ کا سینہ بھنچتا ہے (آپ کو صدمہ پہنچتا ہے)''۔ اسی لئے کہا گیا: ﴿وَاصْبِرْ عَلٰی مَا یَقُوْلُوْنَ﴾ ''صبر کیجئے اس پر جو کچھ یہ کہہ رہے ہیں''۔ ہمیں خوب معلوم ہے کہ اس سے آپ کو تکلیف پہنچ رہی ہے' کوفت ہو رہی ہے' لیکن صبر کیجئے! اور یہ معاملہ صرف زبانی ایذاء تک محدود نہیں رہا بلکہ اس کے بعد جسمانی ایذائیں بھی شروع ہوگئیں۔ تو رسالت میں تو یہ ساری مصیبتیں جھیلنی پڑیں۔ جبکہ نبوت وولایت کے مقام پر آدمی آرام وسکون سے بیٹھا ہوتا ہے۔ صوفیاء تو صرف اُسے تذکیر کریں گے جو اُن کی خانقاہوں میں آئے گا' وہ دربدر تو نہیں جائیں گے' انہیں کسی کی کوئی کڑوی کسیلی بات نہیں سننی پڑے گی۔ خانقاہ تو گویا ایک ہسپتال ہے۔ جیسے کوئی مریض علاج کی غرض سے ہسپتال میں آتا ہے اسی طرح جس کے اندر احساس بیدار ہوگیا ہے اور وہ تزکیئے کا خواہاں ہے تو وہ خانقاہ میں حاضر ہو جائے گا اور اس کو جو بھی حکم دیا جائے گا وہ مانے گا۔ اس میں تزکیہ کرنے والے صوفی کو مشقت نہیں اٹھانا پڑتی' جبکہ رسول کا معاملہ اس کے برعکس ہے' وہ دردر جا رہے ہیں اور کہیں کچھ سن رہے ہیں' کہیں کچھ سن رہے ہیں۔

اس مقامِ عروج ونزول کو مولانا رومؒ نے عالَمِ جسمانی کی ایک مثال کے ذریعے بہت خوبصورتی سے واضح کیا ہے کہ جب سمندر میں سورج کی حرارت اور تمازت اثر انداز ہوتی ہے تو سمندر کا پانی بخارات کی شکل میں اوپر جا رہا ہوتا ہے۔ یہ بالکل صاف وشفاف مقطر پانی (distilled water) ہوتا ہے' اس میں کثافتیں (impurities) نہیں ہوتیں۔ یہی بخارات اوپر جا کر بادل کی شکل اختیار کرتے ہیں اور پھر بارش بن کر برستے ہیں۔ بخارات کا اوپر جانا عروج ہے اور بارش کا برسنا نزول ہے۔ جب وہی پانی بارش کی شکل میں برستا ہے تو سب سے پہلے فضا کو صاف کرتا ہے' پھر زمین کو صاف کرتا ہے۔ یعنی وہی پانی فضا اور زمین کی گندگیوں اور کثافتوں کو اپنے اندر لے کر نالوں اور دریاؤں سے ہوتا ہوا دوبارہ سمندر میں پہنچ جاتا ہے۔ یہ گویا عروج اور نزول کا ایک سلسلہ ہے۔ اللہ کے نبیؐ جب رات کے وقت کھڑے ہوتے تھے تو وہ عروج کی کیفیت ہوتی تھی۔ یہ مقامِ عبدیت ہے' جس میں اللہ تعالیٰ کی طرف رُخ ہے اور اللہ تعالیٰ کی بندگی ہو رہی ہے۔ اور دن کے وقت جب دعوت وتبلیغ کے لئے گلیوں میں پھر رہے ہیں' گھر گھر جا رہے ہیں' لوگوں سے بات کر رہے ہیں اور ان کی جلی کٹی باتیں سننی پڑ رہی ہیں تو طبیعت میں ایک انقباض ہوتا ہے' کثافت پیدا

© rasailojaraid.co
© rasailojaraid.co

ہوتی ہے۔ چنانچہ حضور ﷺ سے فرمایا گیا: ﴿وَلَقَدْ نَعْلَمُ اَنَّکَ يَضِيْقُ صَدْرُکَ بِمَا يَقُوْلُوْنَ ﴾ ''ہمیں خوب معلوم ہے کہ جو باتیں یہ کہہ رہے ہیں ان سے آپ کا سینہ بھنچتا ہے''۔ لیکن آپ اندازہ کیجئے کہ کتنے لوگ ہیں جو اُس دعوت و تبلیغ کے نتیجے میں پاک صاف ہو گئے؟ کتنوں کو یہ سعادت نصیب ہوئی کہ وہ خود بھی عروج کی کیفیت حاصل کریں۔ تو دراصل رسالت مرتبۂ نزول میں ہے۔

قرآن مجید میں رسالت کے قریب ترین لفظ شہادت ہے۔ سورۃ المزمل میں ارشاد ہوا:

﴿اِنَّا اَرْسَلْنَا اِلَيْكُمْ رَسُوْلًا شَاهِدًا عَلَيْكُمْ كَمَا اَرْسَلْنَا اِلٰى فِرْعَوْنَ رَسُوْلًا﴾

''(لوگو!) ہم نے تمہاری طرف ایک رسول تم پر گواہ بنا کر بھیجا ہے جس طرح ہم نے فرعون کی طرف ایک رسول (یعنی موسیٰ علیہ السلام) بھیجا تھا''

سورۃ الاحزاب میں ارشاد ہوا:

﴿يٰاَيُّهَا النَّبِيُّ اِنَّا اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّمُبَشِّرًا وَّنَذِيْرًا﴾

''اے نبی (ﷺ)! یقیناً ہم نے آپ کو بھیجا ہے گواہ بنا کر اور خوش خبری دینے والا اور خبردار کرنے والا بنا کر''۔

یہاں تین صفات میں سب سے پہلے شاہد کا لفظ آیا ہے کہ ہم نے آپ کو گواہ بنا کر بھیجا ہے۔ یہ گواہی ہمیں اپنے قول سے بھی دینی ہے' جیسے ہم زبانی اقرار کرتے ہیں: اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ ۔ پھر ہمارا عمل بھی گواہی دے کہ واقعتاً ہم اللہ کے بندے ہیں اور ہم واقعتاً محمد ﷺ کو اللہ کا رسول مانتے ہیں۔ پھر اِس گواہی کا ایک مفہوم یہ بھی ہے کہ لوگوں کو جمع کرو اور ایک اجتماعی نظام قائم کرو' جو پوری دنیا کے اوپر گواہ بن جائے کہ بہترین نظام وہی ہے جو اللہ نے اپنے رسول ﷺ کے ذریعے سے عطا کیا ہے۔ اب ظاہر بات ہے اس کے لئے عملی جدوجہد درکار ہے۔ چنانچہ اس شہادت کے لئے اب ان لوگوں کی اہمیت زیادہ ہو جائے گی جن کے اندر قوتِ کار اور بھاگ دوڑ کی صلاحیت زیادہ ہے۔ جبکہ تصدیق کرنے میں وہ لوگ پیش قدمی کر جائیں گے جو سلیم الفطرت اور رقیق القلب ہیں۔ یہ ہیں اصل میں ''صدیقین'' اور ''شہداء'' کے دو مزاج۔ بیروں بیں (Extroverts) شہداء بنیں گے اور دروں بیں (introverts) صدیق بنیں گے' ان کو تصدیق کرنے میں دیر نہیں

© rasailojaraid.co
© rasailojaraid.co

لگے گی، پیش قدمی کر جائیں گے۔ لیکن اس کے بعد عملی جدوجہد میں نبی کے دست و بازو بننے میں شہداء پیش پیش ہوں گے، جو بھاگ دوڑ کرنے والے ہیں۔ حضراتِ ابوبکر وعثمان رضی اللہ عنہما اور نہ معلوم کتنے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین تھے کہ ان کے ایمان لانے کے بعد بھی مسلمانوں کو کھلم کھلا حرم میں جا کر نماز پڑھنے کی ہمت نہیں ہوئی۔ لیکن جس سال حضرات حمزہ و عمر رضی اللہ عنہما ایمان لے آئے تو اب مسلمانوں نے ڈنکے کی چوٹ حرم میں جا کر نماز پڑھی۔ حضرت مسیح علیہ السلام کا بڑا پیارا قول ہے: ''کتنے ہی ہیں جو بعد میں آتے ہیں لیکن پہلوں سے آگے نکل جاتے ہیں''۔ حضور ﷺ نے جن کو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے بعد عظیم ترین انسان معین کیا ہے وہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ ہیں جو پیغامِ ہدایت پہنچنے کے تقریباً چھ سال بعد ایمان لائے ہیں۔ اندازہ کیجئے کہ آپؐ سے پہلے چھ سالوں میں کم از کم تیس چالیس افراد تو ایمان لا چکے ہوں گے، لیکن وہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے پیچھے رہ گئے ہیں۔ اس لئے کہ آپ فعّال انسان ہیں آپ کے قوائے عملیہ زیادہ چاق وچوبند ہیں۔ جبکہ ایک وہ ہیں جن کے قوائے فکریہ وعلمیہ کی حیثیت زیادہ ہے۔ تو اس اعتبار سے ''صدیقیت'' بلند ترین منزل ہے اور ''شہادت'' اس سے نیچے ہے۔

سورۃ النساء کی آیت ۶۹ میں ارشاد ہوا:

﴿وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِيْنَ ۚ وَحَسُنَ اُولٰٓئِكَ رَفِيْقًا﴾

''جو لوگ اللہ اور رسولؐ کی اطاعت کریں گے وہ ان لوگوں کے ساتھ ہوں گے جن پر اللہ نے انعام فرمایا ہے، یعنی انبیاء اور صدیقین اور شہداء اور صالحین۔ اور کیا ہی اچھی ہے ان لوگوں کی رفاقت۔''

یعنی جو کوئی بھی معنوی طور پر اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت پر کاربند ہو جائے گا اسے ان لوگوں کی ایک معیت و رفاقت حاصل ہو گی جن پر اللہ کا انعام ہوا ہے۔ ان میں سب سے پہلے انبیاء ہیں، ان سے نیچے صدیقین ہیں، ان سے نیچے شہداء کا رتبہ ہے اور پھر سب سے نیچے صالحین ہیں جو base line ہے۔ یہ ہے درحقیقت وہ ربط و تعلق جو اِن الفاظ کے مابین ہے۔

فریضہ شہادت علی الناس —— قرآن حکیم کی روشنی میں

قرآن مجید میں ''شہید'' درحقیقت گواہ کے معنی میں آتا ہے۔ دنیا کی زندگی میں یہ

© rasailojaraid.com

گواہی دعوت و تبلیغ اور عملی شہادت کے ذریعے سے ہے۔ اور یہی لوگ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کی عدالت میں استغاثہ کے گواہ (Prosecution Witness) کی حیثیت سے کھڑے ہوں گے کہ اے اللہ! ہم نے تیرا پیغام انہیں پہنچا دیا تھا۔ قرآن مجید میں اہم مضامین دو مرتبہ ضرور آتے ہیں۔ چنانچہ یہ مضمون بھی دو مرتبہ آیا ہے کہ حضور ﷺ تم پر گواہی دیں گے اور تم بقیہ لوگوں پر گواہی دو گے کہ اے اللہ! تیرے نبیؐ نے تیرا جو پیغام ہم تک پہنچایا تھا' وہ ہم نے انہیں پہنچا دیا تھا۔ سورۃ الحج کی آخری آیت میں ارشاد ہوا ہے:

﴿وَجَاهِدُوا فِي اللَّهِ حَقَّ جِهَادِهِ ۚ هُوَ اجْتَبَاكُمْ وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّينِ مِنْ حَرَجٍ ۚ مِلَّةَ أَبِيكُمْ إِبْرَاهِيمَ ۚ هُوَ سَمَّاكُمُ الْمُسْلِمِينَ مِنْ قَبْلُ وَفِي هَٰذَا لِيَكُونَ الرَّسُولُ شَهِيدًا عَلَيْكُمْ وَتَكُونُوا شُهَدَاءَ عَلَى النَّاسِ ۚ﴾ (الحج: ۷۸)

''اللہ کی راہ میں جہاد کرو جیسا کہ اس کی راہ میں جہاد کا حق ہے' اس نے تمہیں چن لیا ہے' (حق کی پاسبانی اور اشاعت کے لئے) اور نہیں روا رکھی اس نے تم پر دین کے معاملہ میں کوئی تنگی۔ پیروی کرو اپنے باپ ابراہیم کے دین کی۔ اللہ نے تمہارا نام مسلم (سرِ اطاعت خم کرنے والا) رکھا ہے اس سے پہلے' اور اس قرآن میں بھی (تمہارا یہی نام ہے)' تاکہ رسول تم پر گواہ ہو اور تم بقیہ نوعِ انسانی پر گواہ بنو!''

سورۃ الحج اور سورۃ البقرۃ اس اعتبار سے ایک دوسری کے ساتھ منسلک ہیں کہ ہجرت سے متصلاً قبل سورۃ الحج اور ہجرت کے فوراً بعد سورۃ البقرۃ نازل ہوئی ہے۔ یہی مضمون سورۃ البقرۃ میں بھی بایں الفاظ آیا ہے:

﴿وَكَذَٰلِكَ جَعَلْنَاكُمْ أُمَّةً وَسَطًا لِتَكُونُوا شُهَدَاءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُونَ الرَّسُولُ عَلَيْكُمْ شَهِيدًا ۗ﴾ (آیت ۱۴۳)

''اور اسی طرح ہم نے تم کو اُمت وسط بنایا ہے' تاکہ تم لوگوں پر بطورِ گواہ کھڑے ہو اور رسول تم پر بطورِ گواہ کھڑا ہو۔''

اس گواہی کا تعلق دنیا سے بھی ہے اور آخرت سے بھی۔ یہاں پر آخرت کو خاص طور پر نمایاں نہیں کیا گیا' لیکن وہ اس میں implied ہے۔ دنیا میں تم گواہی دو گے دعوت و تبلیغ اور اتمامِ حجت کے ذریعے اور قیامت کے دن اسی گواہی کا ظہور ہو جائے گا جبکہ تم اللہ کی عدالت میں کھڑے ہو کر گواہی دو گے۔ تو یہ مضمون بھی قرآن مجید میں دو جگہ آیا ہے۔ ایک سورۃ النحل میں' جو

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہجرت سے متصلاً قبل نازل ہونے والی سورتوں میں سے ہے۔ سورۃ النحل کی آیت ۸۹ میں ہے:

﴿وَيَوْمَ نَبْعَثُ فِي كُلِّ اُمَّةٍ شَهِيْدًا عَلَيْهِمْ مِّنْ اَنْفُسِهِمْ وَجِئْنَا بِكَ شَهِيْدًا عَلٰى هٰٓؤُلَآءِ﴾

''اور اس دن (کا تصور کیجیے اے نبیؐ!) جس دن ہم ہر امت میں سے ایک گروہ گواہ بنا کر کھڑا کریں گے ان ہی میں سے، اور آپؐ کو گواہ بنا کر کھڑا کریں گے اِن (اہل عرب) پر''۔

اس ضمن میں دوسرا مقام سورۃ النساء آیت ۴۱ ہے، جس کا ذکر گزشتہ نشست میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی حدیث کے حوالے سے ہو چکا ہے۔ وہاں فرمایا:

﴿فَكَيْفَ اِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ اُمَّةٍ بِشَهِيْدٍ وَّجِئْنَا بِكَ عَلٰى هٰٓؤُلَآءِ شَهِيْدًا﴾ (النساء: ٤١)

''پھر اس دن کیا حال ہوگا جب ہم ہر اُمت میں سے ایک گواہ کھڑا کریں گے اور آپ کو بھی (اے محمد ﷺ!) ان لوگوں کے خلاف بطور گواہ کھڑا کریں گے''۔

نوٹ کیجیے ''عَلٰی'' کا صلہ مخالفت کے لئے آتا ہے۔ یعنی وہاں گواہی ان کے خلاف پڑے گی۔ اس لئے کہ اگر کوئی قوم اس پوزیشن میں ہو کہ یہ کہہ سکے کہ اے اللہ! تیرا پیغام ہم تک تو آیا ہی نہیں، تو اس چیز کا انہیں اللہ کے ہاں کریڈٹ ملے گا اور انہیں رعایت دی جائے گی۔ ''Ignorance of law is no excuse'' دنیا کا قاعدہ ہے جبکہ اللہ کے ہاں ان لوگوں کو رعایت ملے گی جن تک بات نہیں پہنچی اور اُن کا جرم اِن کے کھاتے میں جمع ہوگا جن کے ذمہ تھا کہ پہنچائیں لیکن انہوں نے نہیں پہنچایا۔ بہر حال جن لوگوں تک بات نہیں پہنچی ان کے لئے تو وہ عذر ہو گیا، لیکن جن تک بات پہنچا دی گئی ان کے لئے کوئی عذر باقی نہیں۔ سورۃ النساء میں ارشاد ہوا: ﴿رُسُلًا مُّبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ لِئَلَّا يَكُوْنَ لِلنَّاسِ عَلَى اللّٰهِ حُجَّةٌ بَعْدَ الرُّسُلِ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا حَكِيْمًا﴾ (آیت ۱۶۵) ''ہم نے اپنے رسولوں کو مبشر اور نذیر بنا کر بھیجا تاکہ رسولوں کے آنے کے بعد کوئی عذر باقی نہ رہ جائے لوگوں کے حق میں اللہ کے (محاسبہ کے) خلاف''۔ تاکہ وہ یہ عذر نہ پیش کر سکیں کہ اے اللہ! تو ہم سے کس بات کا حساب لے رہا ہے، ہم تک تو تیرا پیغام پہنچا ہی نہیں۔

اس بات کو ایک سادہ ترین مثال سے سمجھئے! آپ کسی شخص کے ذریعے سے اپنے کسی دوست اور عزیز کو اپنا پیغام بھیجتے ہیں کہ فلاں کام کل شام تک ضرور ہو جانا چاہئے ورنہ میرا

© rasailojaraid.com

بہت بڑا نقصان ہو جائے گا۔ فرض کیجئے وہ کام نہیں ہوا۔ اب آپ غصے میں بھرے ہوئے اس دوست یا عزیز کے پاس جائیں گے جس تک آپ نے اپنا پیغام بھجوایا تھا اور اس سے کہیں گے کہ میں نے آپ تک یہ پیغام بھیجا تھا' آپ نے میرا وہ کام نہیں کیا اور مجھے اتنا بڑا نقصان ہو گیا' اس کا کون ذمہ دار ہے؟ اب اگر وہ صرف ایک جملہ کہہ دے کہ بھائی مجھے تو آپ کا پیغام ملا ہی نہیں' تو اس صورت میں آپ کا غصہ جھاگ کی طرح بیٹھ جائے گا' آپ اس سے شکوہ نہیں کر سکیں گے اور اب آپ کا سارا غصہ پیغام بر کی طرف جائے گا۔ آپ جا کر اس کی گردن ناپیں گے کہ اللہ کے بندے! میں نے تجھے اتنا اہم پیغام دے کر بھیجا تھا' تم نے میرا پیغام کیوں نہیں پہنچایا؟ تو اگر پیغام بر نے پیغام پہنچا دیا تو وہ بری ہو گیا' اب ساری ذمہ داری اس کی ہے جسے پیغام پہنچ گیا' لیکن اگر پیغام بر نے پیغام پہنچانے میں کمی کی ہے تو ساری ذمہ داری پیغام بر کی ہے اور جس کے پاس پیغام پہنچنا تھا اس کی کوئی ذمہ داری نہیں۔

© rasailojaraid.com

یہی وجہ ہے کہ سورۃ الاعراف میں فرمایا: ﴿فَلَنَسْئَلَنَّ الَّذِيْنَ اُرْسِلَ اِلَيْهِمْ وَلَنَسْئَلَنَّ الْمُرْسَلِيْنَ ۞﴾ ''ہم لازماً پوچھ کر رہیں گے ان سے بھی جن کی طرف رسولوں کو بھیجا گیا اور ہم لازماً پوچھ کر رہیں گے رسولوں سے بھی۔'' ہم رسولوں سے بھی پوچھ گچھ کریں گے کہ تم نے ہمارا پیغام پہنچا دیا تھا یا نہیں۔ وہ کہیں گے اے اللہ! ہم نے پہنچا دیا تھا اور ہم نے فریضہ رسالت کی ادائیگی پر لوگوں سے گواہی بھی لے لی تھی۔ خطبۃ حجۃ الوداع کے موقع پر رسول اللہ ﷺ نے لوگوں سے فرمایا: ((اَلَا هَلْ بَلَّغْتُ؟)) ''لوگو! کیا میں نے تم تک اللہ کا پیغام پہنچا دیا ہے؟'' اس پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے یک زبان ہو کر کہا: ''اِنَّا نَشْهَدُ اَنَّكَ قَدْ بَلَّغْتَ الرِّسَالَةَ وَاَدَّيْتَ الْاَمَانَةَ وَنَصَحْتَ الْاُمَّةَ وَكَشَفْتَ الْغُمَّةَ'' ''ہم گواہ ہیں (اے اللہ کے رسولؐ!) آپ نے یقیناً فرض رسالت ادا کر دیا' اور امانت کا حق ادا کر دیا' اور امت کی نصیحت کی ذمہ داری ادا کر دی اور آپ نے (گمراہی کے) تمام اندھیروں کو زائل کر دیا''۔ تو اللہ کے رسول اپنی اپنی ذمہ داریوں سے بری ہو جائیں گے' اب ساری ذمہ داری ان کی ہو گی جن تک اللہ کا پیغام پہنچ گیا ہو گا۔ یہ ہے اصل میں شہادت!

صدیقیت و شہادت کے مراتب کھلے ہیں

ظاہر بات ہے کہ اہل ایمان میں بھی مختلف قسم کی شخصیتیں ہیں۔ کچھ لوگ اگر دروں بیں قسم کے ہیں' یعنی غور و فکر کرنے والے' سوچ بچار کرنے والے' سلیم الفطرت' رقیق القلب لوگ ہیں تو وہ صدیقیت کے مقام پر جا پہنچیں گے اور جن کا مزاج ایسا نہیں ہے وہ کم سے کم

© rasailojaraid.com

شہادت کے مرتبے تک پہنچ جائیں گے۔ یہ دونوں راستے ان لوگوں کے لئے کھلے ہوئے ہیں جنہوں نے اپنے باطن سے مال کی محبت کا بریک کھول دیا ہے۔ لیکن اگر یہ بریک لگا ہوا ہے تو وہ آگے بڑھ ہی نہیں سکتے' ان کے لئے کوئی ترفع اور ترقی نہیں ہے' وہ تو بس نام کے مسلمان ہیں جو جیسے بھی ہیں چل رہے ہیں۔ لیکن اگر کسی نے دل سے مال کی محبت کو کھرچ دیا ہو اور پھر اللہ پر ایمان لایا ہو تو وہ مرتبہ صدیقیت پر فائز ہو سکتا ہے۔ اس کی تفصیل سورۃ الحدید کی آیت ۱۸ اور ۱۹ میں ہے۔

البتہ اس میں یہ مغالطہ ہرگز نہ آنے پائے کہ جس شخص کو نبیؐ کی دعوت براہِ راست پہنچی ہو اور اس نے اس پر لبیک کہا ہو صرف وہی مرتبہ صدیقیت پر فائز ہو سکتا ہے۔ بلکہ ہم میں سے بھی ہر شخص یہ رتبۂ خاص حاصل کر سکتا ہے۔ ہم نسلی طور پر مسلمان ہیں' عقیدتاً ایمان ہمارے پاس ہے' لیکن شعوری ایمان نہیں ہے۔ تو آج بھی ہم اس کی تحصیل کر سکتے ہیں۔ تجدید ایمان اسی کا نام ہے۔ ہر گناہ کے بعد جب انسان توبہ کرتا ہے تو وہ تجدید ایمان ہے۔ سورۃ الفرقان کا آخری رکوع ہمارے اس منتخب نصاب کے حصہ سوم میں شامل ہے۔ اس میں آیات ۶۸ تا ۷۰ میں توبہ کا مضمون بڑے خوبصورت انداز میں آیا ہے۔ فرمایا:

﴿وَالَّذِيْنَ لَا يَدْعُوْنَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ وَلَا يَقْتُلُوْنَ النَّفْسَ الَّتِيْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ وَلَا يَزْنُوْنَ ۚ وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ يَلْقَ اَثَامًا ۝ يُضٰعَفْ لَهُ الْعَذَابُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَيَخْلُدْ فِيْهِ مُهَانًا ۝ اِلَّا مَنْ تَابَ وَاٰمَنَ وَعَمِلَ عَمَلًا صَالِحًا فَاُولٰٓئِكَ يُبَدِّلُ اللّٰهُ سَيِّاٰتِهِمْ حَسَنٰتٍ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ۝﴾

''(رحمٰن کے بندے وہ ہیں) جو اللہ کے سوا کسی اور معبود کو نہیں پکارتے' اللہ کی حرام کی ہوئی کسی جان کو ناحق قتل نہیں کرتے اور نہ زنا کے مرتکب ہوتے ہیں۔ یہ کام جو کوئی کرے گا وہ اپنے گناہ کا بدلہ پائے گا۔ قیامت کے دن اس کا عذاب دوگنا کر دیا جائے گا اور وہ اس میں ہمیشہ ذلت کے ساتھ پڑا رہے گا۔ الّا یہ کہ کوئی (ان گناہوں کے بعد) توبہ کر چکا ہو اور ایمان لا کر عمل صالح کرنے لگا ہو تو ایسے لوگوں کی برائیوں کو اللہ بھلائیوں سے بدل دے گا' اور وہ بڑا غفور رحیم ہے۔''

درحقیقت تجدید ایمان' توبہ اور تجدید عہد ہم معنی الفاظ ہیں (۱)۔ بہرحال آج بھی مرتبۂ

---

(۱) یہ تین الفاظ ہم نے تنظیم اسلامی کی دعوت کی بنیاد کو واضح کرنے کے لئے اختیار کیے تھے اور ہماری بہت سی مطبوعات پر یہ بلاک شائع ہوتا ہے: ''تنظیم اسلامی کی اساسی دعوت: تجدید ایمان' توبہ اور تجدید عہد''۔

© rasailojaraid.c

صدیقیت تک پہنچنے کا راستہ کھلا ہے۔ یہ جان لیجئے نبوت کا دروازہ بند ہے' پہلے بھی وہ دہبی تھی' کسبی نہیں تھی' لیکن اب تو اس کا دروازہ مستقلاً بند ہے' البتہ ''صدیقیت'' اور ''شہادت'' کے مراتب کھلے ہیں۔ افتادِ طبع کے اعتبار سے انسان ترقی کر کے ان مراتب عالیہ کی تحصیل کر سکتا ہے۔ اور صالحین کا درجہ تو base line کی حیثیت رکھتا ہے۔ تو ان دونوں آیات (الحدید: ۱۸'۱۹) کے ربط سے واضح ہوا کہ جو لوگ اس مشکل گھاٹی کو عبور کر جائیں' یعنی مال کی محبت سے نجات حاصل کر لیں اور پھر ایمان کے زیور سے آراستہ ہوں تو اُن کے لئے مرتبہ' صدیقیت یا مرتبہ' شہادت تک رسائی حاصل کرنے کا راستہ کھلا ہے۔

ولایت اور نبوت کا باہمی تعلق

اس سلسلے میں چند اور باتیں وضاحت طلب ہیں۔ ہمارے تصوف کے حلقوں میں عام طور پر یہ بات کہی جاتی ہے کہ ''ولایت'' ''نبوت'' سے افضل ہے۔ ظاہر کے اعتبار سے یہ بات بالکل غلط ہے' البتہ اس کے اندر بھی حقیقت کا ایک عنصر ہے' اگرچہ اصطلاحات غلط استعمال ہو رہی ہیں۔ ان کے ہاں دو نسبتیں ''نسبتِ ولایت'' اور ''نسبت نبوت'' مستقلاً مذکور ہیں۔ دراصل مقامِ نبوت ولایت' خلت' صدیقیت سب سے بلند ترین مقام ہے۔ لغوی اعتبار سے نبوت کی اصل یا تو ''نَبَأ'' ہے' جس سے ''نبی'' کا مفہوم ہے ''خبر دینے والا'' اور یا پھر ''نَبْوَ'' ہے جس کے معنی بلندی کے ہیں۔ تو اس سے اُونچا کوئی مقام نہیں ہے۔ یہ بھی جان لینا چاہئے کہ رسالت' نبوت کے ساتھ منتھی ہے اور نبوت رسالت سے افضل ہے۔ عام طور پر ہمارا تصور یہ ہے کہ رسالت نبوت سے افضل ہے۔ میں اس بات کو تسلیم کرتا ہوں کہ رسالت مقامِ نزول میں ہے اور نبوت مقام عروج میں ہے۔ اصل حیثیت مقامِ نبوت کی ہے' لیکن جب کسی نبی کو کسی معین جگہ پر بھیجا جاتا ہے تو اسے رسول بنا کر بھیجا جاتا ہے' جیسے حضرت لوط علیہ السلام کو سدوم اور عامورہ کی بستیوں کو خبردار کرنے کے لئے بھیجا گیا' حضرت ہود علیہ السلام کو قومِ عاد کی طرف بھیجا گیا' حضرت صالح علیہ السلام کو قومِ ثمود کی طرف بھیجا گیا' موسیٰ علیہ السلام کو فرعون اور آلِ فرعون کی طرف معین کر کے بھیجا گیا۔ تو یہ رسالت دراصل ''مقامِ نزول'' ہے اور اس میں کوئی شک نہیں کہ نبوت رسالت سے افضل ہے۔

نبوت کا رشتہ درحقیقت ولایت' خُلت اور صدیقیت سے ہے۔ اور وہ کس اعتبار سے' اسے جان لینا ضروری ہے۔ یہ بڑے اہم مضامین ہیں۔ یہ بات پوری اُمت کے نزدیک

© rasailojaraid.com

متفق علیہ ہے کہ نبوت عام ہے اور رسالت خاص ہے۔ یعنی ہر رسول تو لازماً نبی ہے لیکن ہر نبی رسول نہیں ہے۔ انہی چیزوں کی وجہ سے یہ تصور ذہن میں قائم ہو گیا کہ رسالت نبوت سے افضل ہے۔ لیکن درحقیقت یہ افضل نہیں ہے' بلکہ ان میں خاص اور عام کی نسبت ہے۔ حضرت یوسف علیہ السلام نبی تھے' لیکن رسول نہیں تھے۔ انہوں نے نہ تو اپنے آپ کو ماننے کی دعوت دی اور نہ کوئی مطالبہ کیا کہ مجھ پر ایمان لاؤ۔ حضرت یوسف علیہ السلام نے بادشاہِ مصر کے خواب کی درست تعبیر بتائی' جس کی بنا پر وہ جیل سے رہا ہوئے' اور پھر انہوں نے اس قوم کو قحط سے بچنے کی تدبیر بتائی جو اُن پر آنے والا تھا تو شاہِ مصر نے آپؑ کو وزارتِ مالیات جیسا بڑا عہدہ پیش کیا' جسے آپؑ نے قبول کر لیا' لیکن بادشاہ تو بہرحال وہی شخص تھا۔ قرآن مجید سے اس کے ایمان کا ثبوت بھی نہیں ملتا' البتہ وہ نیک انسان تھا۔ جیل کے لوگوں نے حضرت یوسف علیہ السلام کو ''صدیق'' کہہ کر پکارا تھا کہ: ﴿یُوْسُفُ اَیُّهَا الصِّدِّیْقُ﴾ ''یوسف' اے صدیق!'' یعنی اپنی ذاتی شخصیت کے اندر ولایت کے درجے پر فائز ہوتا ہے۔ اور جب اس پر اللہ کی طرف سے وحی اترتی ہے تو اسے نبوت سے سرفراز کر دیا جاتا ہے۔ ہمارے آج کل کے قلندر قسم کے لوگوں سے قطع نظر' جو شخص واقعتاً اللہ کا دوست' خلیل' وفادار اور مخلص ہے' اس پر اگر وحی آ جائے تو وہ نبی ہے' اور اگر وحی نہیں ہے تو وہ بس اللہ کا ولی اور برگزیدہ ہے۔ حضرت عبدالقادر جیلانیؒ اور حضرت یوسف علیہ السلام میں یہی تو فرق ہے کہ حضرت یوسفؑ پر وحیِ نبوت نازل ہوئی۔ ورنہ شخصیت کے اجزائے ترکیبی جو عبدالقادر جیلانیؒ کے ہیں وہی حضرت یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ہیں۔ نبی سیرت و کردار کے حوالے سے ایک مکمل انسان ہوتا ہے' وہ لوگوں کو حق کی طرف دعوت بھی دے رہا ہوتا ہے' لیکن وہ اللہ کی طرف سے اس طرح سے مامور ہو کر نہیں آیا ہوتا کہ لوگوں سے کہے کہ اللہ کی عبادت کرو اور میری اطاعت قبول کرو۔ جبکہ رسول تو لوگوں سے جا کر کہتا تھا کہ اللہ کی بندگی کرو اور میرا حکم مانو' میری اطاعت کرو' مجھے ماننا پڑے گا! سورۃ الشعراء میں تمام رسولوں کی یہی دعوت نقل ہوئی ہے کہ: ﴿اِنِّیْ لَکُمْ رَسُوْلٌ اَمِیْنٌ ۝ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِیْعُوْنِ ۝﴾ ''یقیناً میں تمہاری طرف ایک رسولِ امین (مبعوث ہوا) ہوں' پس اللہ کا تقویٰ اختیار کرو اور میری اطاعت کرو!'' تو یہ رسالت ہے۔

نبوت اور رسالت کا فرق

نبوت اور رسالت کا فرق Simultaneous Contrast کے اعتبار سے حضرت

© rasailojaraid.c

یحییٰ اور عیسیٰ (علیہما السلام) کے تذکرہ میں بہت نمایاں ہو کر سامنے آتا ہے۔ حضرات یحییٰ اور عیسیٰ علیہما السلام کا دَور ایک ہی ہے۔ حضرت یحییٰ علیہ السلام صرف نبی تھے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام رسول تھے۔ دو سورتوں سورۂ مریم اور سورۂ آل عمران میں اِن دونوں حضرات کا تقابل وارد ہوا ہے۔ سورۂ آل عمران میں حضرت یحییٰ علیہ السلام کی مدح اور ان کی شخصیت اور سیرت و کردار کے بارے میں بہت سے تاریخی کلمات کے بعد آخر میں یہ بات کہی گئی: ﴿وَنَبِيًّا مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ﴾ ''وہ نبی ہے صالحین میں سے''۔ نوٹ کیجیے مرتبۂ صالحیت base line ہے اور انسان اسی سے عروج حاصل کرتے ہوئے نبوت تک پہنچتا ہے۔ جبکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ذکر ان الفاظ میں آیا ہے: ﴿وَرَسُوْلًا اِلٰى بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ﴾ ''اور وہ رسول تھے بنی اسرائیل کی طرف''۔ یہی وجہ ہے کہ چونکہ نبی قتل بھی ہو سکتا ہے اس لئے حضرت یحییٰ علیہ السلام قتل کر دیے گئے۔ بادشاہِ وقت نے ایک رقاصہ کی فرمائش پر جلاد کے ذریعے آپؑ کا سر قلم کروایا اور طشت میں رکھ کر اُس رقاصہ کو پیش کر دیا۔ قرآن کریم آپؑ کے سیرت و کردار کا ذکر ان الفاظ میں کرتا ہے:

© rasailojaraid.c

﴿يٰيَحْيٰى خُذِ الْكِتٰبَ بِقُوَّةٍ ۭ وَاٰتَيْنٰهُ الْحُكْمَ صَبِيًّا ۝ وَّحَنَانًا مِّنْ لَّدُنَّا وَزَكٰوةً ۭ وَكَانَ تَقِيًّا ۝ وَّبَرًّۢا بِوَالِدَيْهِ وَلَمْ يَكُنْ جَبَّارًا عَصِيًّا ۝﴾ (مریم: ۱۲ تا ۱۴)

''اے یحییٰ! کتابِ الٰہی کو مضبوطی سے تھام لے۔ ہم نے اسے بچپن ہی میں حکم سے نوازا' اور اپنی طرف سے اس کو نرم دلی اور پاکیزگی عطا کی' اور وہ بڑا پرہیزگار اور والدین کا حق شناس تھا' اور وہ جبار نہ تھا اور نہ نافرمان۔''

دیکھئے قرآن میں آپؑ کی یہ عظمت بیان ہو رہی ہے' لیکن دنیا میں یہ حال سامنے آ رہا ہے کہ ایک آبرو باختہ عورت کی فرمائش پر قتل کر دیے گئے۔ دوسری طرف حضرت عیسیٰ علیہ السلام چونکہ اللہ کے رسول تھے' اللہ کی طرف سے مقرر کردہ تھے لہٰذا قتل نہیں کئے گئے' اس لئے کہ رسول قتل نہیں کیا جا سکتا۔

ان دونوں مراتب ''نبوت و رسالت'' کو ایک مثال سے بآسانی سمجھا جا سکتا ہے۔ ہمارے یہاں CSP ایک کاڈر (cadre) ہے۔ وہ CSP اگر کہیں جا کر ڈپٹی کمشنر لگ گیا ہے تو یہ اس کی تقرری (appointment) ہے۔ اسی طرح جب کوئی صرف نبی ہے تو گویا نبی کی حیثیت سے اس کا ایک کاڈر معین ہو گیا۔ لیکن آپ کو معلوم ہے بہت سے CSP

© rasailojaraid.c

حضرات کی تقرری نہیں ہو پاتی۔ جو شخص سرکاری یونیفارم میں نہیں ہے اس کے خلاف اقدام عام سی بات شمار ہوتی ہے۔ لیکن اگر کوئی شخص فوجی یونیفارم میں ملبوس ہے تو گویا وہ حکومت کا نمائندہ ہے اور اس کے خلاف اقدام کرنا حکومت کو چیلنج کرنا ہے۔ بعینہٖ جب نبی مامور من اللہ ہو کر کسی قوم کی طرف بھیج دیئے جاتے تھے تو وہ اللہ کی نمائندگی کر رہے ہوتے تھے اور ان کو قتل نہیں کیا جا سکتا تھا۔ اللہ تعالیٰ کا رسولوں کے بارے میں یہ وعدہ ہے: ﴿كَتَبَ اللّٰهُ لَاَغْلِبَنَّ اَنَا وَرُسُلِىْ﴾ (المجادلہ:۲۱) ’’اللہ نے یہ لکھا ہوا ہے (طے کیا ہوا ہے) کہ میں اور میرے رسول غالب آ کر رہیں گے‘‘۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام نے جب اللہ تعالیٰ سے فریاد کی تھی: ﴿اَنِّىْ مَغْلُوْبٌ فَانْتَصِرْ﴾ ’’(پروردگار!) میں تو مغلوب ہوا جا رہا ہوں، پس میری مدد کیجئے!‘‘ ان سے انتقام لیجئے! تو اللہ تعالیٰ نے ان کی قوم کو رہتی دنیا تک کے لئے نشانِ عبرت بنا دیا۔ اس لئے کہ رسول کے لئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے نصرت اور فتح یابی لازم ہے۔ اور اگر قوم نے بحیثیت مجموعی رسول کی دعوت کو ردّ کر دیا ہو تو قوم کا ہلاک کیا جانا لازم ہے۔ جیسے قومِ نوحؑ، قومِ لوطؑ، قومِ صالحؑ، قومِ شعیبؑ اور آلِ فرعون انکارِ رسالت کی پاداش میں ہلاک کر دیئے گئے، بلکہ صفحۂ ہستی سے مٹا دیئے گئے۔ لیکن نبی کے انکار کے جرم میں دنیا میں ہلاکت لازم نہیں ہے، اس کا حساب کتاب آخرت میں جا کر ہوگا، اس لئے کہ اللہ کی طرف سے اس کی تقرری نہیں ہوئی۔ وہ تو یوں سمجھئے کہ ایک ولی اللہ ہے جس کے پاس اللہ کی طرف سے وحی آ رہی ہے۔ تو درحقیقت نبوت و رسالت کا یہ فرق ہے اور اس کو سمجھنے ہی سے سارے عقدے حل ہوتے ہیں۔

مقامِ صدیقیت کے اجزائے ترکیبی

مقامِ صدیقیت کے اجزائے ترکیبی کی قدرے وضاحت مفید طلب ہے۔ مقامِ صدیقیت کے یہ اجزائے ترکیبی سورۃ اللیل میں Simultaneous Contrast کے اعتبار سے بیان ہوئے ہیں۔ (۱) اس سورۂ مبارکہ میں تین اوصافِ حمیدہ مقامِ صدیقیت پر فائز شخصیت کے بیان ہوئے ہیں اور تین ہی اوصافِ رذیلہ اس کے برعکس شخصیت کے بیان ہوئے ہیں۔ فرمایا:

﴿وَالَّيْلِ اِذَا يَغْشٰى ۞ وَالنَّهَارِ اِذَا تَجَلّٰى ۞ وَمَا خَلَقَ الذَّكَرَ وَالْاُنْثٰى ۞ اِنَّ سَعْيَكُمْ لَشَتّٰى ۞﴾

(۱) میرا ’’شہید مظلوم‘‘ کے نام سے ایک کتابچہ موجود ہے جس میں بنیادی طور پر یہ مضامین آ گئے ہیں۔

© rasailojaraid.com

''گواہ ہے رات جبکہ وہ ڈھانپ لیتی ہے' اور (گواہ ہے) دن جبکہ وہ روشن ہو جاتا ہے' اور وہ نر اور مادہ جو اللہ نے تخلیق کیا۔ یقیناً (اے لوگو!) تمہاری کوششیں بھی مختلف قسم کی ہیں''۔

پہلے تو اللہ تعالیٰ نے قسموں کی صورت میں استشہاد کیا ہے کہ اے لوگو! جیسے رات کی تاریکی اور دن کی روشنی میں اور نر اور مادہ (اور مرد وعورت) میں فرق وتفاوت ہے' اسی طرح تمہاری کوششوں اور سعی و جہد میں اور تمہارے انجام میں بھی فرق وتفاوت ہے۔ آگے وہ صفات بیان کی جارہی ہیں:

﴿فَاَمَّا مَنْ اَعْطٰی وَاتَّقٰی ۝ وَصَدَّقَ بِالْحُسْنٰی ۝ فَسَنُیَسِّرُہٗ لِلْیُسْرٰی ۝ وَاَمَّا مَنْ بَخِلَ وَاسْتَغْنٰی ۝ وَکَذَّبَ بِالْحُسْنٰی ۝ فَسَنُیَسِّرُہٗ لِلْعُسْرٰی ۝﴾

''تو جس نے (اللہ کی راہ میں) مال دیا اور (اللہ کی نافرمانی سے) پرہیز کیا' اور بھلائی کو سچ مانا اس کو ہم آسان راستے کے لئے سہولت دیں گے۔ اور جس نے بخل کیا اور (اپنے خدا سے) بے نیازی برتی اور بھلائی کو جھٹلایا' اس کو ہم سخت راستے کے لئے سہولت دیں گے''۔

صدیق کا پہلا وصف یہ ہے کہ اس میں عطا اور جود وسخاوت ہوتی ہے۔ وہ لوگوں کی مشکلات کو دیکھ کر تڑپ اٹھتا ہے اور ان کی مدد کرتا ہے' بھوکوں کو کھانا کھلاتا ہے۔ دوسرا وصف یہ ہے کہ اس کے اندر تقویٰ ہوتا ہے۔ وہ کسی کا دل نہیں دکھانا چاہتا' کسی کو نقصان نہیں پہنچانا چاہتا' کسی پر دست درازی اور تعدی نہیں کرنا چاہتا۔ اور تیسرا وصف یہ کہ وہ ہر اچھی بات کی تصدیق کے لئے ہر وقت تیار رہتا ہے۔ اس کے اندر تعصب نہیں ہوتا' عصبیت' ضد اور ہٹ دھرمی نہیں ہوتی۔ اس کے سامنے جب کوئی ایسی بات آتی ہے کہ اس کا دل گواہی دے کہ بات صحیح ہے تو اسے فوراً تسلیم کر لیتا ہے۔ وہ یہ نہیں سوچتا کہ دوسرے کی بات مان لینے سے اس کی جیت اور میری ہار ہو جائے گی۔ ہونا بھی یہی چاہئے کہ صحیح اور حق بات جس کی صحت پر دل بھی گواہی دے رہا ہو' فوراً قبول کر لی جائے۔ تو جس شخص میں یہ تین اوصاف جمع ہو جائیں تو وہ مقام صدیقیت پر فائز ہے۔ جیسے اقبال نے کہا ع ''یہ چار عناصر ہوں تو بنتا ہے مسلمان''۔ امام رازیؒ نے اس سورۂ مبارکہ کے بارے میں لکھا ہے کہ یہ سورتِ صدیق اکبر ہے' یعنی حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی سورت ہے۔ اس لئے کہ اِس اُمت میں سب سے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

زیادہ متقی شخص وہی ہیں، جن میں یہ تینوں اوصاف بتمام وکمال جمع ہو گئے تھے۔
اس کے برعکس جو شخص اِن تینوں اوصاف سے خالی ہو وہ بدترین مخلوق ہے۔ اُس میں صفتِ عطا کے برعکس بخل، اور تقویٰ کے برعکس اللہ سے استغناء اور بے پروائی ہوتی ہے۔ اسے حلال وحرام کی فکر ہی نہیں ہوتی۔ اس کا جہاں ہاتھ پڑتا ہے، حلال وحرام سے بے نیاز ہوکر اسے حاصل کرلیتا ہے۔ جس کا چاہتا ہے استحصال اور حق تلفی کرتا ہے، جس پر چاہتا ہے ظلم کرتا ہے، جس کا دل چاہتا ہے دکھاتا ہے اور جس کی عزت پر چاہے حملہ کرتا ہے۔ یہ استغناء اور بے نیازی ہے۔ تیسرے درجے میں وہ صحیح وعمدہ بات اور سچائی وصداقت کی تکذیب کرتا ہے۔ اس شخص کے بارے میں ارشادِ الٰہی ہے: ﴿فَسَنُيَسِّرُهٗ لِلْعُسْرٰى﴾ ''تو ہم رفتہ رفتہ اسے العُسریٰ (تنگی) تک پہنچا دیں گے''۔ یعنی جہنم تک، جو بڑی تنگی اور سختی کی جگہ ہے۔ تو لفظ ''شہادت'' منصب رسالت کے لئے۔ اور جو لوگ اللہ کے پیغام کو پہنچاتے ہیں اور اس کے دین کو قائم کرنے میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیں وہ درحقیقت شہداء ہیں۔
حضرات ابراہیم اور ادریس علیہما السلام کی شخصیات کے مطالعے سے بھی اس عقدے کو حل کرنے میں راہ نمائی ملتی ہے۔ حضرت ادریس علیہ السلام کے تفصیلی حالات تو ہم نہیں جانتے، قرآن مجید میں اُن کا بس اتنا تذکرہ ہے کہ: ﴿وَرَفَعْنٰهُ مَكَانًا عَلِيًّا﴾ ''اور ہم نے انہیں بھی بہت اونچا مقام ومرتبہ عطا فرمایا''۔ یہ غالباً حضرت نوح اور حضرت آدم علیہما السلام کے مابین کی شخصیت ہیں۔ جبکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے تفصیلی حالات ہمیں معلوم ہیں۔ آپؑ سلیم الفطرت انسان تھے۔ شروع ہی سے سوچ بچار اور غور وفکر کی خو تھی۔ وہ سوچتے تھے کہ ان سورج، چاند اور ستاروں کا کیا مقام ہے جن کو پوجا جا رہا ہے! مظاہر فطرت اور ان کی تخلیق پر غور وفکر کرتے کرتے وہ توحید تک پہنچ گئے اور بارگاہِ خداوندی میں عرض کیا: ﴿اِنِّیْ وَجَّهْتُ وَجْهِيَ لِلَّذِيْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ حَنِيْفًا وَّمَا اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ﴾ ''میں نے یکسو ہوکر اپنا رُخ اُس ہستی کی طرف کرلیا ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو بنایا اور (اے پروردگار!) میں شرک کرنے والوں میں نہیں ہوں''۔ یہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی شخصیت ہے۔ اسی لئے ان کو کہا گیا: ﴿صِدِّيْقًا نَّبِيًّا﴾ یعنی آپ صدیق نبی تھے۔ آپ نبوت عطا ہونے سے پہلے مقامِ صدیقیت پر فائز ہیں، جیسے کہ حضرت یوسف علیہ السلام کو دیکھنے والے صدیق کہہ رہے ہیں۔ ﴿يُوْسُفُ اَيُّهَا الصِّدِّيْقُ﴾۔
یہ بات بھی سمجھ لینی چاہئے کہ چونکہ نبوت عورتوں کو نہیں دی گئی ـــــ اس لئے کہ یہ بہت

© rasailojaraid.c

بھاری ذمہ داری ہے۔۔۔لہٰذا خواتین کے لئے سب سے اونچا مقام صدیقیت ہے۔ حضرت مریم سلام علیہا کے بارے میں قرآن کہتا ہے: ﴿اُمُّہٗ صِدِّیْقَةٌ﴾ ''ان (حضرت عیسیٰؑ) کی والدہ (حضرت مریمؑ) صدیقہ تھیں''۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی شخصیت کا مطالعہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ صفتِ شہید سے متصف تھے۔ آپؑ بہت قوی الجثہ انسان تھے۔ ان کی طاقت کی کیفیت یہ تھی کہ قبطی کو بس ایک تھپڑ یا گھونسا رسید کر کے اس کی جان نکال دی۔ قرآن مجید میں اُن کے بارے میں سوچ بچار کی کوئی روداد نہیں آئی۔ وہ تو رات کے وقت بیوی بچوں سمیت وطن واپس آ رہے تھے 'جبکہ شدید سردی اور اندھیرا تھا' دُور سے کہیں آگ نظر آئی' خیال گزرا کہ شاید کوئی کٹیا ہے جہاں سے راستہ بھی معلوم کیا جا سکتا ہے۔ گھر والوں سے فرمایا کہ تم یہاں ٹھہرو' میں وہاں سے آگ کی چنگاری لے کر آتا ہوں تاکہ تم لوگ آگ تاپ سکو۔ (قرآن مجید میں ''بِشِهَابٍ قَبَسٍ'' اور ''اَوْ اَجِدُ عَلَى النَّارِ هُدًى'' کے الفاظ ہیں) لیکن وہاں اللہ تعالیٰ نے نبوت سونپ دی۔ گویا گئے تھے آگ لینے کو' مل گئی نبوت۔ جبکہ کہاں محمد رسول اللہ ﷺ کا معاملہ ہے کہ آپؐ غارِ حرا کے اندر جا کر بیٹھتے اور کئی کئی دن متواتر غور و فکر کرتے۔ روایات میں الفاظ ملتے ہیں: ''کَانَ صِفَةُ تَعَبُّدِہٖ فِیْ غَارِ حِرَاءَ التَّفَکُّرُ وَالْاِعْتِبَارُ'' ''غارِ حراء میں آپ ﷺ کی بندگی غور و فکر اور عبرت حاصل کرنا تھی''۔ ان دونوں شخصیات کی سیرت کے مطالعہ سے ان کے مابین فرق نمایاں ہوتا ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بارے میں قرآن مجید میں فرمایا گیا: ﴿رَسُوْلًا نَّبِيًّا﴾ ''آپ رسول نبی تھے''۔ یہاں رسول ''شہید'' کے معنی میں ہے۔ ان دونوں الفاظ (رسالت اور شہادت) میں بڑی گہری مناسبت ہے۔ آپ علیہ السلام مزاجاً شہداء میں سے ہیں اور شہادت سے ہو کر نبوت تک پہنچے ہیں' یعنی صالحیت و شہادت سے ہو کر رسالت اور پھر نبوت۔ اسی لئے آپؑ کو ''رَسُوْلًا نَّبِيًّا'' کہا گیا ہے۔

یہی معاملہ حضرت اسماعیل علیہ السلام کا بھی ہے۔ حضرت اسماعیل علیہ السلام کی شخصیت کے بارے میں بھی کتبِ سیرت میں وہی واقعات ملتے ہیں جو حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے ہیں۔ دو مرتبہ کا واقعہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام فلسطین سے چل کر اپنے بیٹے حضرت اسماعیل علیہ السلام سے ملنے آئے لیکن آپؑ شکار کے لئے نکلے ہوئے تھے۔ اُن کے گھر میں دو دن مقیم رہنے کے باوجود حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اُن سے ملاقات نہیں ہو سکی۔ حضرت اسماعیل علیہ السلام کی بیوی نے ان کے بارے میں حضرت ابراہیم علیہ السلام سے کچھ شکوہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کیا کہ ہمارے حالات اچھے نہیں ہیں، بڑی تنگی ہے، تو آپؑ جاتے ہوئے کہہ گئے کہ جب میرے بیٹے آئیں تو ان سے کہہ دینا گھر کی چوکھٹ بدل دیں۔ (یعنی وہ بیوی کہ جو شاکی ہے وہ اس لائق نہیں ہے کہ تیرے گھر میں رہے) وہ واپس آئے تو انہیں بیوی نے پیغام دیا اور آپؑ نے اپنے والد محترم کے حکم کی تعمیل کرتے ہوئے بیوی کو طلاق دے دی۔ تو حضرت ابراہیمؑ کی شخصیت اور حضرت اسماعیلؑ کی شخصیت کے مابین یہی نمایاں فرق ہے۔ اس لئے انہیں ﴿رَسُوۡلًا نَّبِیًّا﴾ کہا گیا ہے۔

قرآن مجید میں دو رسولوں کے لئے ﴿صِدِّیۡقًا نَّبِیًّا﴾ آیا ہے اور دو کے لئے ﴿رَسُوۡلًا نَّبِیًّا﴾ لیکن ہمارے مفسرین کی بے توجہی کا عالم یہ ہے کہ کسی نے بھی ان مقامات پر تدبر کی زحمت گوارا نہیں کی۔ میں نے عہد حاضر کے ایک بہت بڑے مفسر سے سوال کیا کہ قرآن مجید میں دو رسولوں کے بارے میں ''صِدِّیۡقًا نَّبِیًّا'' کے الفاظ آئے ہیں اور دو کے بارے میں ''رَسُوۡلًا نَّبِیًّا'' کے الفاظ میں کیا حکمت ہے؟ تو انہوں نے پوچھا واقعی کہیں ''رَسُوۡلًا نَّبِیًّا'' آیا ہے؟ میں نے سورۂ مریم کی آیات پڑھ کر سنائیں کہ یہ وہ مقامات ہیں۔ اس کا سبب دراصل قلتِ تدبر ہے کہ آدمی بغیر توجہ کئے گزر جاتا ہے کہ 'رسول' کے بعد 'نبی' کا کیا مطلب ہوسکتا ہے' جبکہ رسالت تو نبوت کے بعد ملتی ہے۔ تو یہاں درحقیقت رسول شہید کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔ مختلف شخصیتوں کے مزاج مختلف ہوتے ہیں۔ ہماری اُمت میں ایک طرف حضرات ابوبکر و عثمان رضی اللہ عنہما ہیں جو صحابہ کرام ؓ میں سب سے چوٹی کے صدیقین ہیں' دوسری طرف حضرات حمزہ اور عمر رضی اللہ عنہما ہیں جو صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین میں شہداء کی بہت نمایاں مثال ہیں۔ جبکہ انبیاء و رسل میں سے حضرات ابراہیم اور ادریس علیہما السلام 'صِدِّیۡقًا نَّبِیًّا'' ہیں اور موسیٰ اور اسماعیل علیہما السلام ''رَسُوۡلًا نَّبِیًّا'' ہیں۔ یہ وہ حقائق ہیں جن کی قدرے وضاحت ضروری تھی۔

صدیقۂ کبریٰ کون؟

اس ضمن میں ایک بات مزید نوٹ کیجئے۔ مجموعی طور پر تو خواتین میں حضرت مریم سلام علیہا ''صدیقہ'' ہیں' سوال پیدا ہوسکتا ہے کہ کیا اِس اُمت میں بھی کوئی صدیقہ ہے؟ دیکھئے عام طور پر تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ لفظ ''صِدّیقہ'' استعمال ہوتا ہے' لیکن درحقیقت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا عمر کے اعتبار سے دوسری نسل سے تعلق رکھتی ہیں' اگرچہ

© rasailojaraid.c
© rasailojaraid.c

آپ حضور ﷺ کی زوجۂ محترمہ ہونے کی حیثیت سے اُمّ المومنین ہیں۔ جیسے حضرت علی اور ابوبکر و عمر و عثمان رضی اللہ عنہم کے مراتب میں فرق و تفاوت ہے۔ حضرت علی ؓ کا حضرات ابوبکر و عمر و عثمان رضوان اللہ علیہم سے تقابل کرنا درحقیقت قیاس مع الفارق کے مترادف ہے۔ ان کی تو نوعیت ہی مختلف ہے۔ حضرات ابوبکر و عمر و عثمان رضی اللہ عنہم حضور ﷺ کے تقریباً ہم عمر لوگوں میں سے ہیں۔ حضرت ابوبکر آپ ﷺ سے دو اڑھائی برس چھوٹے ہیں، حضرت عمر چھ برس اور حضرت عثمان پانچ برس چھوٹے ہیں۔ یہ تو آپؐ کے برابر کے ہیں اور آپ ﷺ کے ساتھی اور دوست و بازو ہیں۔ کسی قبیلے یا قوم کے اندر ایسے لوگ ''مَـــلَأْ'' کہلاتے ہیں اور پٹھانوں کے ہاں ''مشران'' کہلاتے ہیں۔ جبکہ حضرت علیؓ رضی اللہ عنہ تو دوسری نسل سے تعلق رکھتے ہیں اور حضور ﷺ کے مقابلے عمر کا بہت فرق و تفاوت ہے، اگرچہ اپنی شخصیت کے اعتبار سے بہت اعلیٰ مرتبے پر فائز ہیں۔ حضور ﷺ کے بعد صحابہ کرام میں [illegible] حضرت علیؓ کی شخصیت ہے۔ تو جامعیت کے اعتبار سے اُن کا مقام اور ہے لیکن کمیت کے اعتبار سے حضرت علیؓ خلفاء ثلاثہ کے آس پاس بھی نہیں آتے، اگرچہ ترتیب میں چوتھے ہیں۔ تو بالکل اسی طرح کا معاملہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا ہے۔ ان کا مقام بہت بلند ہے، فقہاء صحابہ میں سے ہیں، حضور ﷺ کی محبوب زوجۂ محترمہ ہیں، لیکن صدیقیتِ کبریٰ کے مقام پر حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا فائز ہیں۔ اسی لئے ان کے نام کے ساتھ لفظ ''کبریٰ'' لگا ہوا ہے۔ جس طرح حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے حضور ﷺ کے قدموں میں اپنی ساری دولت نچھاور کر دی اسی طرح حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے بھی اپنی پوری دولت حضور ﷺ کے قدموں میں ڈال دی کہ جس طرح چاہیں اور جہاں چاہیں استعمال کیجئے۔ حضور اکرم ﷺ کی تصدیق میں جیسے حضرت ابوبکرؓ نے ایک لحظہ کا توقف بھی نہیں کیا ایسے ہی حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ نے بھی لحظہ بھر کے توقف کے بغیر آپؐ کی تصدیق کی۔ بلکہ یہ فیصلہ کرنا مشکل ہے کہ حضور ﷺ پر پہلے ایمان لانے والے حضرت ابوبکرؓ ہیں یا حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ!۔ میں تو دعوے سے کہتا ہوں کہ حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ ہیں۔ اس لئے کہ غارِ حرا سے اتر کر حضور ﷺ پر جو خوف کی کیفیت تھی اور لرزہ طاری تھا، تو یہ پہلا تجربہ آپؐ نے اپنی زوجہ محترمہ کو ہی بتایا ہے۔ کیسے ممکن ہے کہ آپ نے جا کر پہلے اپنے کسی دوست یا حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو بتایا ہو۔ بلکہ آپؐ زَمِّلُوْنِیْ زَمِّلُوْنِیْ کہتے ہوئے

(باقی صفحہ 64 پر)

© rasailojaraid.c